

جناب الطاف گوھر کی خدمت میں

جناب الطاف گوھر نے یکم دسمبر ۱۹۹۳ء کے روزنامہ نوائے وقت میں اپنا کالم ”لکھتے رہے جنوں کی حکایت“ نواب کالا باغ مرحوم کے حوالے سے لکھا ہے۔ ان کی یادداشتوں پر جی اس کالم میں نواب کالا باغ مرحوم کی ایک روایت نقل کی گئی ہے

”ایک دفعہ عطاء اللہ شاہ بخاری میانوالی تشریف لائے، ان کی جادو بیانی کا یہ اثر ہوا کہ ضلع بھر کے لوگ رات بھر بیٹھے ان کے ارشادات سنتے اور سر دھنتے رہے۔ انہوں نے اعلان کیا کہ وہ نواب کالا باغ کے ظلم و جبر کے خلاف، جہاد کا علم لے کر نکلے ہیں۔ نواب صاحب کے مخالفین نے شاہ صاحب کو اور بھی چڑھا دیا۔ بے شمار لوگ اس جہاد میں ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ جمعرات کی شام کے جلسے میں انہوں نے اپنے جاں فروشوں کو اطلاع دی، کل جمعہ کی نماز کے بعد میں سر پر کفن باندھ کر کالا باغ روانہ ہو جاؤں گا کیا آپ لوگ میرے ساتھ روانہ ہوں گے؟“ جلسہ نے بیک زبان کہا ”ہاں چلیں گے“ اس اعلان کی گونج نواب کالا باغ کے کان بھی پڑی انہوں نے اپنے معتمد کے ہاتھ عطاء اللہ شاہ بخاری کی خدمت میں یہ پیغام بھجوایا کہ ”حضور شاہ صاحب! بڑی خوشی سے کالا باغ تشریف لائے جو کفن آپ سر پر باندھ کر آئیں گے۔ ہم آپ کو وہی کفن پہنا کر واپس بھیج دیں گے“ نواب صاحب کے قول کے مطابق شاہ صاحب نے یہ پیغام ملنے کے بعد کالا باغ آنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ توجہ کی سائنس یہ ہے کہ مد مقابل کو بچاؤ اور جب اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالو تو یہ اطمینان کر لو کہ تمہارے پاؤں زمین پر جے رہیں اور وار کرو تو ایسا کہ رقیب رویہ جانبر نہ ہو سکے۔ کسی کمزور آدمی پر ہاتھ نہ اٹھاؤ“

یہ روایت شاید الطاف گوھر صاحب کے زور قلم کا حاصل ہے یا نواب امیر محمد خاں کی افسانہ تراشی ’بہر حال حقیقت کچھ بھی ہو اس وضی روایت پر کلی طور پر اجماع کرنا تاریخ کو مسخ کرنے کے مترادف ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ مجلس احرار اسلام ایسی بہادر قومی و دینی جماعت کے زعمائے جب بھی کوئی موقف اختیار کیا اور اس پر ہر طرح سے یقین و اطمینان کر لیا تو اس کے بعد مصمم قلب سے ڈٹ گئے۔ پھر کوئی جبر و طاغوت ان کے آہنی عزائم کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ تاریخ کے اوراق اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ کشمیر کے ڈوگرہ راج کے مسلمانوں پر مظالم کے خلاف جب مجلس احرار اسلام نے علم جہاد بلند کیا تو پچاس ہزار سے زائد احرار و اسیروں نے گرفتاری دی اور جلاخ مراراج

کشمیر کو کشمیری مسلمانوں کو حقوق دینا پڑے اسی طرح پورے قتل کی تحریک ہو یا فرخ نگر کے فسادات، فوجی بھرتی پائیکٹ مسم ہو یا تحریک تحفظ ختم نبوت، احرار کے جیالوں نے جماعت مرکزیہ کے حکم پر اپنی جانوں کو داؤ پر لگا دیا۔ یہی وجہ تھی کہ مجلس احرار اسلام متحدہ ہندوستان کی تمام دینی و سیاسی جماعتوں پر قربانی و ایثار اور عزم و ہمت کے میدان میں بازی لے گئی جس کا اعتراف آج بھی باشعور دانشمند اور غیر جانبدار مقررین کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے

جس طرح الطاف گوہر صاحب نے اپنی روایت کے سہارے بانی احرار حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اجلے دامن کو داغدار ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ان کی یہ مذموم سعی دراصل جماعت احرار کے شاندار تاریخی کردار کو مجروح کرنے کے ناپاک پروگرام کا ایک حصہ معلوم ہوتی ہے

میں حیران ہوں کہ ادیب احرار آغا شورش کشمیری جب تک زندہ رہے الطاف گوہر ایسے بزم خویش و دانشور اور بے علم سیاسی تجزیہ نگار کیوں منہ میں گھٹکتھنیاں ڈالے بیٹھے رہے۔ شورش مرحوم نے جناب الطاف گوہر کے بعض ”روشن اعمال“ کو جب ”چٹان“ میں موضوع بنایا تھا تو گوہر صاحب کا بے لگام قلم اس وقت حرکت میں کیوں نہ آیا۔ ان کی رحلت کے بعد شاید وہ یہ سوچ کر کہ اب جواب دینے والا کوئی نہ رہا ہذا جو منہ میں آئے کہہ دیا جائے یا قلم سے قرطاس پر منتقل کر دیا جائے۔ لیکن یہ محض ان کی خوش فہمی اور خام خیالی ہے۔

مجلس احرار میں یوم تاسیس سے لیکر آج تک تاریخی حقائق پر نظر رکھنے اور انہیں قلم کے ذریعے عوام الناس تک پہنچانے والے باشعور اور صاحب نظر لوگوں کی کبھی کمی نہیں رہی۔ چودھری افضل حق سے لیکر جاناہز مرزا تک ایسے ہر ہنما اور کارکن نے علم و ادب اور دین و سیاست میں وہ قلمی جواہر برزے بکھیرے کہ جن کی چمک و دوک آج بھی نام نہاد محققین اور کور بھر لکھاریوں کی آنکھوں کو چکا چوند کر رہی ہے

دوسری بات یہ ہے کہ الطاف گوہر صاحب نے جس روایت کو پیش کیا ہے وہ خود پکار پکار کر اپنی حقیقت آشکارا کر رہی ہے اولاً ”سید عطاء اللہ شاہ بخاری قیام پاکستان سے قبل غالباً دو تین دفعہ ہی ضلع میانوالی تشریف لے گئے اور تقسیم ہند کے بعد بھی اتنی ہی بار۔

ثانیاً ”شاہ جی نے اپنی تقاریر میں میانوالی کے قوانین اور وزیر شاہی کو اپنی آتش نوائیوں کا موضوع ضرور بنایا لیکن روایت مذکورہ میں یہ اعلان کہ ”کل جمعہ کی نماز کے بعد میں سر رکھن باندھ کر کالا باغ روانہ ہو جاؤں گا“ شاہ جی نے کسی بھی جلسہ عام میں نہیں فرمایا آج بھی ان لوگوں کی کثیر تعداد ضلع میانوالی میں بقید حیات ہے جنہوں نے شاہ جی کے تمام جلسوں میں شرکت کی، مگر انہوں نے بھی مذکورہ روایت کو کذب و افتراء پر مبنی قرار دیا۔

... ثالثاً ”یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ذمہ دار دینی و سیاسی جماعت کا ایک ذمہ دار رہنما کسی پروگرام کا اعلان کرے اور پھر کسی وزیر کے کی دھمکی سے مرعوب ہو کر پروگرام ملتوی کر دے۔ نواب آف کالا باغ اپنی جگہ قلم و خوشنواری

میں مجسم غیظ و غضب سی لیکن کالا باغ قصبے کا محدود اربعہ کشمیر کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے۔ مجلس احرار اسلام ملکی معاملات بالخصوص تحریک فوجی، بھرتی بائیکاٹ میں ایسی انجھی کہ وہ کالا باغ کی طرف بحیثیت مجموعی نظر نہ کر سکی مگر نہ کالا باغ کے ”ملکوں“ کو اپنے جاہ و مرتبے اور خوف و دہشت کا بخوبی اندازہ کر دیا جاتا۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری ان خوفناک حالات میں بھی اس ضلع میں گئے جن کا تصور کرنا بھی محال ہے شورش کاشمیری نے لکھا ہے۔

”ضلع میانوالی کی ایک تحصیل (مسی خیل) میں شاہ جی پہلی مرتبہ تقریر کے لئے گئے تو کسی مسلمان نے اپنے ہاں نہ ٹھہرایا۔ ایک ہندو نے شب ب سری کے لئے جگہ دی تو اسے گاؤں چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا۔ ازاں بعد اس کے مکان کو آگ لگا دی گئی“ (سوانح سید عطاء اللہ شاہ بخاری ص ۹۸)

وہ حضرات جو برطانوی سامراج کی کین گاہوں، انک، سرگودھا، راولپنڈی، جہلم اور میانوالی کے اضلاع کی سیاسی صورت حال پر گہری نظر رکھتے ہیں اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان تمام اضلاع اور بالخصوص میانوالی پر انگریز کے کاسہ لیس جاگیرداروں کی گرفت کتنی مضبوط تھی۔ اس دور میں انگریز کے خلاف کوئی کلمہ نکالنا قاتل گردن زدنی تھا چہ جائیکہ اپنے وقت کے برطانوی حکومت کے سب سے بڑے باغی کی یعنی خیل میں تقریر! لیکن شاہ جی جس دل گردے اور شجاعت و محض اللہ کے سارے پر جو فروتن تصادمائے حق بلند کرنے کے لئے یہاں آسکا ہے اور وہ بھی اس وقت جبکہ یہاں مجلس احرار اسلام کا قیام بھی عمل میں نہ آیا ہو اور شب ب سری کے لئے کسی میں ہمت بھی نہ ہو کہ وہ انہیں اپنے مکان میں ٹھہرائے وہ جگہ دار اور حریت فطرت عظیم رہنما اگر کالا باغ جانے کا عزم کر لیتا، چاہے اس راہ میں کچھ ہو جاتا اسے روکنے کی جرات کس میں تھی؟

شاہ جی کو تحریک کشمیر کے دوران کشمیر میں داخل ہونے سے روکا گیا تو وہ دریائے تیر کر کشمیر میں داخل ہوئے۔ تقریریں کیں اور گرفتار ہو گئے۔ قادیان میں داخل ہونے کے تمام راستے بند کئے گئے تو وہ پانچ لاکھ مسلمانوں کا جم غفیر لیکر قادیان میں داخل ہو گئے۔ تین دن تقریر کی اور پھر گرفتار ہو گئے۔ ملتان کے گیلانیوں اور قریشیوں نے شہر میں داخل ہونے سے منع کیا اور تقریر کرنے کی صورت میں جان سے مار دینے کی دھمکی دی مگر شاہ جی نہ صرف ملتان میں داخل ہوئے بلکہ گیلانیوں کے مرکز ”پاک گیٹ“ میں تقریر کی اور انگریز سامراج کے مذہبی دلالوں کی غدا یوں کو موضوع بنایا اور ان کے پر خفے اُڑا دیئے۔ اس قسم کی بے شمار مثالیں شاہ جی کی مجاہدانہ زندگی کا روز مرہ تھیں۔

لہذا الطاف گوہر کی روایت افتراء اور اتہام محض ہے جو کسی طور حقیقت سے میل نہیں کھاتی بالفرض اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ اس روایت کا راوی ایک فرد ہے جو روایت کا سامع ہے، واقعہ کا معنی شاہد نہیں۔ جبکہ اس کی تائید میں کوئی قول کسی دیگر فرد کا نہیں ملتا۔ اور سینکڑوں لوگ جو شاہ جی کی تقاریر

کے سامع ہیں ایسی ہر روایت کا انکار کرتے ہیں۔ لہذا الطاف گوہر صاحب کی روایت مکذوبہ و مجہول ٹھہرتی ہے
نواب کالا باغ زندہ نہیں ورنہ انہیں مخاطب کیا جاتا۔ اگر نواب نے شیخی میں آگریہ کمرہ بھی دیا ہو تو الطاف گوہر
صاحب پر لازم تھا کہ وہ اس علاقہ کے کسی واقف حال سے اس کی تصدیق کر لیتے۔ اسلام آباد میں بیسیوں افراد
میلانوالی کے باہمی مل سکتے ہیں اس طرح ان کے ”نظریہ جبری سائنس“ کا بھی تجزیہ ہو جاتا۔
”احرار اور کالا باغ“

جہاں تک نواب آف کالا باغ کے خلاف جہاد کرنے کا معاملہ ہے تو الطاف گوہر صاحب کی اطلاع کے لئے عرض
ہے کہ ضلع میلانوالی میں بالعموم اور کالا باغ کے خلاف بالخصوص جہاد کرنے میں مقامی مجلس احرار اسلام کا رول تاریخ
کا دریں باب ہے۔ حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے دست راست اور مجلس احرار اسلام ہند
و پنجاب کے نائب صدر مولانا گل شیر خاں شہید نے نواب آف کالا باغ کے خلاف اس وقت جہاد کا آغاز کیا جب نواب
کی پشت پر انگریز کا دست تعاون موجود تھا مگر اس مرد حق آگاہ نے تمام خطرات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے حق و
مداقت کی مشعل فروزاں کی۔

جب مولانا گل شیر شہید پہلی دفعہ کالا باغ تشریف لے گئے تو آپ نے اپنی پہلی تقریر میں ہی جاگیرداری اور
سربایہ داری نظام کو موضوع بنایا اور نواب کالا باغ کے ظالمانہ جھکندوں کی مذمت کی نسیحا ”آپ کو دعوت دینے
والے حضرات غائب ہو گئے اور آپ کو پیدل ریلوے اسٹیشن تک سفر کرنا پڑا۔ پھر یہ سلسلہ چل نکلا اور آپ کئی مرتبہ
کالا باغ تشریف لے گئے یہاں تک کہ آپ نے کالا باغ میں مجلس احرار اسلام کی شاخ قائم کر دی جس کے ناظم ڈاکٹر
غلام حیدر اور ان کے بھائی غلام قادر بلوچ سالار مقرر کیے گئے (جو نواب کالا باغ کے ذاتی معالج ڈاکٹر اللہ جوایا کے
بیٹے تھے) ڈاکٹر غلام حیدر نواب کے مظالم سے تنگ آکر بعد میں کراچی ہجرت کر گئے اور وہیں انتقال ہوا کالا باغ میں
مجلس احرار کا قیام رئیس کالا باغ کی امارت کو کھلا چیلنج تھا۔ یہاں تک کہ کالا باغ کا تحصیلدار احرار کارکنوں سے کہہ
اٹھا کہ ”میرا حکم ہے۔ تمہیں احرار چھوڑنا پڑے گی“

لیکن احرار سرفروشوں نے نواب کے غرور و تکبر کو پاؤں تلے روندنے کی جسارت کر ڈالی، ظلم کی چکی میں پس
گئے مگر احرار کا دامن نہ چھوڑا۔ اکتوبر ۱۹۴۳ء میں باقاعدہ تحریک کالا باغ کا آغاز کر دیا گیا جس کی تفصیلات انگریز گورنر
و پنجاب کی گورنر جنرل ہند کے نام خط و کتابت 7-23-page-246-1، file No-1، انڈیا آفس لاہور
لندن میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

عوام نے احرار کی تحریک پر نواب کے عائد کردہ ظالمانہ ٹیکس دینے بند کر دیئے جس کے نتیجے میں احرار کارکنوں
اور نواب کے کارندوں میں ٹکڑ ہو گئی مگر وہ کئی رضا کار غنڈوں کے ہاتھوں سخت مجروح ہوئے اور بالاخر انہیں کالا باغ سے
ہجرت کرنا پڑی۔

۲۹ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو آل انڈیا مجلس احرار اسلام کے حکم پر پنجاب اور سرحد میں ”یوم کالا باغ“ منایا گیا۔ حکومت نے دونوں صوبوں میں دفعہ ۳۳ نافذ کر دی اور احرار رہنماؤں کو گرفتار کر لیا۔
 ۲۸ نومبر ۱۹۳۳ء کو احرار پارک لاہور میں ”کالا باغ سماجین کانفرنس“ ہوئی جس میں تحریک کی دیکھ بھال مولانا مظفر علی اظہر کو سونپی گئی۔ اور انہوں نے مولانا غلام غوث ہزاروی کو ایک سوزنا کاروں کے ہمراہ کالا باغ بھیج دیا۔
 عین سوزنا کار میانوالی سے مولانا کے ہمراہ کالا باغ میں پہنچے تو پولیس نے کارکنوں سے زبردستی کھانا پیاں چھین کر انہیں نشتا کر دیا کارکن ایک مسجد میں جمع ہوئے تو پانی بند کر دیا گیا اور نواب کے پالتوؤں نے مسجد کا مکمل گھیراؤ کر لیا۔
 احرار رہنماؤں نے تمام صورتحال دیکھ کر رضا کاروں کو مزاحمت کرنے سے روک دیا کیونکہ انہیں ہتھیاروں سے پہلے ہی نشتا کر دیا گیا تھا۔

مولانا غلام غوث ہزاروی حالات کا تفصیلی مشاہدہ کرنے کے بعد لاہور تشریف لے گئے مولانا گل شیر خاں شہید اگرچہ پابندی کی وجہ سے کالا باغ نہ آ سکے لیکن باہر سے رضا کاروں کو کالا باغ بھیجنے میں مصروف رہے (مولانا پر تحریک کے آغاز میں ہی ضلع میانوالی میں داخلے پر پابندی عائد کر دی گئی تھی)

مرکزی مجلس عاملہ احرار، تحریک کالا باغ کے بارے میں ابھی کسی فیصلے پر بندہ پہنچی تھی کہ ڈپٹی کمشنر نے ضلع میانوالی میں احرار کے تمام اجتماعات اور جلوسوں پر غیر معینہ مدت کے لئے پابندی عائد کر دی۔ احرار سرگرمیاں پابندیوں کے باوجود کسی نہ کسی طور جاری رہیں جن کی وجہ سے نواب آف کالا باغ نے اپنی امارت کے لئے خطرہ محسوس کیا۔ چونکہ اس تحریک میں مرکزی کردار مولانا گل شیر خاں کا تھا اور وہ نواب آف کالا باغ کے خلاف کالا باغ کے مظلوم عوام کو بیدار کرنے اور ان میں باغیانہ جذبات ابھارنے میں موثر قوت ثابت ہو رہے تھے اس لئے مولانا کا وجود نواب اور اس کے کارپردازوں کے لئے خطرے کا نشان بن گیا۔

آخر کار نواب امیر محمد خان کے اشارے پر ۲۳ مئی ۱۹۳۳ء کو مولانا گل شیر خاں کو سوتے میں گولی مار کر شہید کر دیا گیا جس کی بڑی وجہ یہ بھی سامنے آئی کہ مولانا گل شیر خاں شہید پر عائد پابندی ان کی شہادت کے دوسرے روز ختم ہو رہی تھی۔ اور وہ کالا باغ میں احرار کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کر چکے تھے۔ اس لئے نواب کالا باغ نے متوقع بغاوت کی بو سونگھ لی اور مولانا کو اپنے راستے سے ہٹا دیا۔

مگر افراد کے ختم ہو جانے سے نظریات تو نہیں مٹتے بلکہ جس تحریک کی جو مخلصانہ انداز میں چلائی جا رہی ہو خون سے آبیاری ہو جائے وہ گوہر مقصود حاصل کر رہی ہوتی ہے چاہے اس میں کچھ دیر ہو جائے۔ مولانا کی بپا کردہ تحریک اپنے مقاصد میں کامیاب ہو کر رہی۔

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ۲ جون ۱۹۳۳ء کو فیصل آباد میں نواب کالا باغ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ”امیر محمد خاں“ تو نے ایک مسلمان حافظ قرآن، اسلام کے مبلغ اور میرے رفیق

شاہجی کی یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور نواب کالا باغ اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل ہو گیا اور اس کی لاش کو دریائے سندھ میں بہا دیا گیا۔ بے شک اللہ ہی زبردست انتقام لینے والا ہے۔

جناب الطاف کوہرنے بھی دے لفظوں میں اقرار کیا کہ ”شہ یہ تھا کہ ان کے (نواب کالا باغ کے) چھوٹے بیٹے نے کسی اختلاف کی بنا پر باپ کے سر میں گولی پست کر دی“ (روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی یکم دسمبر ۱۹۹۳ء) مولانا گل شیرخان کی شہادت پر تحصیل تہ گنگ ضلع چکوال کے قصبہ لاوہ میں ۹ جولائی ۱۹۹۳ء کو عظیم الشان ”یوم گل شیر“ منایا گیا چونکہ میانوالی میں احزاب اجتماعات پر پابندی تھی اس لئے میانوالی اور انک (اب چکوال) کے اضلاع کی مشترکہ حدود پر یہ جلسہ منعقد ہوا۔ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا

”گل شیرخان کا قتل معمولی قتل نہیں کہ نتیجہ نہیں نکلے گا۔ گل شیر خاں کا خون رنگ لا کر رہے گا پھر تمہاری نوابی اور سرداری بھی تمہارا تحفظ نہیں کر سکے گی۔ گل شیر نے انگریز کو غاصب اور تم جاکیرداروں کو وطن کا غدار کہا اور تمہارے کروتوتوں کا پردہ چاک کیا۔۔۔ لو سنو! آج اسی مقام پر جہاں گل تمہیں گل شیر نے لٹکا رہا تھا اور تمہیں قوم و ملک کا بے وفاء اور نمک حرام قرار دیا تھا بخاری بھی تمہیں اور تمہارے فرہنگی آقاؤں کو ڈنکے کی چوٹ پر غاصب، اٹیرا، غدار، نوڈی، دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن اور امت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا باغی کہتا ہے۔ تم نے جو تعزیر مجھ پر جاری کرنی ہے ابھی کر لو سید حاضر ہے۔۔۔۔۔! (مولانا محمد گل شیر شہید سوانح و خدمات ص ۲۵۹)

الغرض احرار رہنماؤں کی تقاریر نے اس علاقے میں آگ لگا دی۔ عوام الناس کے غم بختہ جذبات بھڑک اٹھے اور کالا باغ کے خلاف تحریک نے نئی راہیں تلاش کر لیں۔ اگرچہ مولانا گل شیر شہید اس جہان فانی میں نہ رہے لیکن ان کی سلگائی ہوئی چنگاری شعلہ جوالہ بنی مگر ان کی جاری کردہ تحریک اسی انقلاب کی خشت اول تھی جس کے مقابل کالا باغ کے رہائیس نہ ٹھہر سکے۔ اس تحریک کے اثرات ماضی کی نسبت آج واضح طور پر محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ کالا باغ کے رہائیسوں کو جس طاقت پر گھمنڈ تھا عوام نے اسے اپنے پاؤں کے نیچے مل ڈالا جس کے ذمہ دار خود رؤسا تھے بقول جانناز مرحوم

”کلاباغ کے رئیسوں نے خدا کی زمین پر خدا کے بندوں سے نا انصافیاں کیں۔ مکافات عمل کا وقت آیا تو بیوپازوں کی آگ سے نہیں بلکہ محلات کی اپنی آگ سے وہ سارا کچھ جل کر راکھ ہو گیا جس کے مان پر حاکمانہ غرور رقص کرتا تھا۔ قدرت و مہمل خود ہی ہے لیکن محاف نہیں کرتی“

آج کلا باغ کے صاحبزادگان نشانِ عبرت ہیں اور وہی کلا باغ کا قصبہ جہاں کسی کو دم مارنے کی اجازت نہیں تھی

وہاں کلاباغ کے رئیس قدم نہیں رکھ سکتے۔ فاعتریو اولی الابصار!

تاریخ کے یہ ابواب اس لئے دھرانہ پڑے کہ الطاف گوہر صاحب ایسے ابن الوقت لکھاریوں کی طرف سے تاریخ کے تائبانک چہرے پر پھیلانے گئے گردوغبار کو صاف کیا جائے اور حقائق کی نقاب کشائی کی جائے۔ مجلس احرار اسلام کے تمام قائدین اور کارکنان نے ۱۹۴۹ء میں جس موقف کو اختیار کیا تھا بھلا اللہ آج بھی احرار اسی کو مد نظر رکھ کر آگے بڑھ رہے ہیں۔ کبھی ان کے پائے استقامت لرزش و لغزش سے آشنا نہیں ہوئے۔ جو فرد مگر وہ یا جماعت ان درویش منش قائدین احرار کے بے داغ وجود پر انگشت نمائی کرتا ہے اور اپنی ہبے رحم اور متعصب تنقید کا نشانہ بناتا ہے وہ تاریخ سے نابلد، ضمیر سے نا آشنا اور قلم کا سوداگر ہے۔ تاریخ نے ایسے کور چشموں سے ہمیشہ اغماض برتا ہے۔ وقتی شہرت، مالی مفادات اور ارباب اقتدار کی نظر کرم کے طلب گار قلم کار جب اپنی غیرت کو بچ چوراہے میں نیلام کر چکے ہیں تو ان کے اذعان و قلوب کی کثافت اور ضنوت قلم کی ابکائیوں کی صورت میں غلیظ اور متعفن جراثیم پھیلانے کا باعث بن جاتی ہے جس کے ترجمان عاشق حسین بنالوی میاں محمد شفیع (م۔ ش) حمید نظامی عبداللطیف، سہمی اور الطاف گوہر ٹھہرتے ہیں۔ ضمیر کی سچائی ہی وہ قوت ہے جس کے ذریعے اظہار میں بے باکی، کردار میں نکھار اور قلم میں وقار پیدا ہوتا ہے اور حقائق کے سامنے آنے میں کسی قسم کی مصلحت، حالات کے تقاضے اور شخصیت پرستی کے پر فریب نظریے حائل نہیں ہو سکتے۔ وارورسن کی آزمائش اور کسی کار عبور و عنوت بھی حق گوئی و حق پرہوی سے باز نہیں رکھ سکتے اسی کا نام مجلس احرار ہے۔ جس کا ماضی و حال مذکورہ صفات کا حامل ہے

کتابیات

۱) کاروان احرار، جانباز مرزا (۲) مولانا گل شیر شہید، سوانح و خدمات، محمد عمر فاروق (۳) سید عطاء اللہ شاہ بخاری، شورش کاشمیری

صاحب طرز ادب، انشاء پرداز اور منکر
چودھری افضل حق کی آپ بیتی۔
حصول آزادی کے لئے مجاہد و ریاض
کی دلچسپ روداد

میر افسانہ

بخاری اکیڈمی مہربان کالونی ملتان۔

قیمت 60 روپے